E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - B.A 3rd Year Islamic Studies

Paper : Quran e Majeed: Tafseer wa Tarjuma (Block 1)

Module Name/Title : Tafseer e Quran Taruf wa Tareekh (Unit 1)

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE
PRESENTATION	Mufti Rashid Nadeem
PRODUCER	Mr. Md Imtiyaz Alam

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی: 1 تفسیر۔تعارف اور تاریخ

اکائی کے اجزاء

1.1 مقصد
1.2 تمہید
1.3 ضرورت واہمیت
1.4 لغوی واصطلاحی معنی
1.5 تفسیر قرآن کے مآخذ
1.5.1 قرآن سے قرآن کی تفسیر
1.5.2 حدیث سے تفسیر
1.5.3 تفسیر اور آثارِ صحابہ
1.5.4 تفسیر اور عربی زبان ولغت
1.5.5 تفسیر اور عقل سلیم
1.5.6 اسرائیلی روایات
1.5.7 تفسیر بالرائے
1.6 تفسیر—عہد نبوی وعہد صحابہ میں
1.7 تفسیر—عہد تابعین میں
1.8 تدوینی مراحل
1.8.1 معانی القرآن
1.9 خلاصہ
1.10 نمونہ کے امتحانی سوالات
1.11 فرہنگ
1.12 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1.1 مقصد

اس اکائی کے ذریعہ طلبہ تفسیر قرآن مجید کی ضرورت واہمیت، اس کے اُصول وآخذ اور مختلف ادوار میں تفسیر سے متعلق خدمات کے

ارتقاء سے واقف ہوسکیں گے۔

1.2 تمہید

اس اکائی میں یہ بات واضح کی جائیگی کہ تفسیر قرآن کی ضرورت کیوں ہے؟ اس کی کیا اہمیت وفضیلت ہے؟ نیز تفسیر کے لغوی و اصطلاحی معنی پر روشنی ڈالتے ہوئے تفسیر وتاویل کا فرق واضح کیا جائے گا، پھر تفسیر قرآن مجید کے ماخذ---قرآن مجید، حدیث، آثار صحابہ، عربی زبان اور عقل وقیاس--- سے استفادہ کو مثالوں کے ذریعہ واضح کیا جائے گا، نیز تفسیر میں اسرائیلی روایات اور رائے کی حیثیت پر روشنی ڈالی جائیگی، عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں تفسیر کا ارتقاء اور ماقبل تدوین تفسیر کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے تدوینی مراحل کو پیش کیا جائے گا اور اولین تفسیر کا تعارف بھی۔

1.3 ضرورت واہمیت

اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ قرآن مجید خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی آخری کتاب ہے، اور اللہ تعالی نے اعلان کردیا ہے کہ یہ کتاب قیامت تک بے آمیز طریقہ پر محفوظ رہے گی، یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے، زبان وادب کے حسن کا ایک پہلو یہ ہے کہ بعض باتوں کو کھلے ہوئے الفاظ میں کہا جائے اور بعض باتیں استعارہ اور کنایہ کے پردہ میں ذکر کی جائیں، جیسے ہر لفظ کا مبہم ہونا ایک عیب ہے، اسی طرح ہر لفظ کا کنایہ وتشبیہ سے عاری ہونا بھی زبان کی خوبصورتی اور کشش کو مجروح کردیتا ہے، نیز بعض دفعہ کلام میں ابہام سے اس کی معنویت دوبالا ہوجاتی ہے، یہ کچھ عربی زبان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر زبان کے ادب میں اس کو ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بھی جہاں ایسی آیات ہیں، جن کا مفہوم بالکل واضح ہے اور جن کو خود قرآن میں ''محکمات'' سے تعبیر کیا گیا ہے، وہیں ایسی آیات بھی ہیں، جن میں تشبیہ وتمثیل سے کام لیا گیا ہے، یا جن میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہے اور یہ احتمال وابہام بھی معنوی اعتبار سے فائدہ سے خالی نہیں ہے، مثال کے طور پر قرآن نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لئے لباس سے تعبیر کیا ہے، لباس میں کئی خصوصیات ہیں :

- لباس انسان کے لئے زینت اور وقار کا سبب ہے۔
- لباس کے ذریعہ خارجی اثرات سے انسان کی حفاظت ہوتی ہے۔
- لباس جسم کے عیوب کو ڈھانک دیتا ہے۔
- لباس انسان کے جسم کا سب سے قریبی رازدار ہوتا ہے۔
- لباس انسان کے وجود سے سب سے قریب ترشئے ہوتی ہے۔

اب غور کیجئے! کہ اس ایک تشبیہ میں ازدواجی رشتہ کے کتنے تقاضوں کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے اور پھر تعبیر کی خوبصورتی اور اہل ذوق کے لئے اس کا لطف الگ رہا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے وضو کے افعال پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: ''وامسحوا برؤسکم'' (المائدۃ:٦) آیت کے اس ٹکڑے میں سر پر مسح کرنے کا حکم ہے، اس میں ''روس'' پر ''ب'' داخل ہے، ''ب'' کے معنی عربی میں ''بعض'' کے آتے ہیں اور بعض صورتوں میں یہ زائد بھی

ہوتی ہے، جس کا مقصد دو کلمات کو باہم مربوط کرنا ہوتا ہے، اس کا کوئی مستقل اور علاحدہ معنی نہیں ہوتا، اگر ''ب'' پہلے معنی میں ہو تو مقصد ہوگا کہ سر کے کچھ حصہ کا مسح کرلو اور دوسری صورت میں پورے سر کا مسح مراد ہوگا، اب اس لفظ کی مناسب تشریح کے لئے لغت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے روشنی حاصل کرنی پڑتی ہے۔

پس قرآن مجید کی کچھ آیات تو بالکل واضح ہیں کہ عربی زبان سے واقفیت ان کو سمجھنے کے لئے کافی ہے؛ لیکن قرآن کی بہت سی تعبیرات میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال بھی ہے، ایسے کلمات اور فقروں کی تشریح و توضیح کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی کے لئے علم تفسیر کی ضرورت پیش آئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن اللہ کی زمین پر اللہ کا دسترخوان ہے، اس سے جس قدر ہو سکے علم حاصل کرلو، (الترغیب والترہیب: ۲/۳۵۴،عن ابن مسعود) —— اس سے معلوم ہوا کہ علم تفسیر گویا اللہ تعالیٰ کے دسترخوان سے فائدہ اُٹھانا ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ اہل قرآن اہل اللہ اور اللہ کے خاص بندے ہیں، علماء کے نزدیک یہاں ''اہل اللہ'' سے مراد مفسرین قرآن ہیں، اس سے علم تفسیر کی اہمیت وفضیلت معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی فن کی اہمیت تین پہلوؤں سے متعین ہوتی ہے، اس بات سے کہ اس کا موضوع کیا ہے؟ اس بات سے کہ اس علم کے حاصل کرنے کی غرض کیا ہے؟ اور اس بات سے کہ اس کی ضرورت کس درجہ ہے؟ —— علم تفسیر کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کے کلام سے بڑھ کر فضیلت و شرف والی اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی، —— فن تفسیر کا مقصود ہدایت حاصل کرنا ہے، جو انسان کے لئے دنیا و آخرت میں فلاح و نجات کی کلید ہے —— اور ضرورت اس فن کی تمام علوم سے بڑھ کر ہے؛ کیوں کہ عقیدہ ہو یا عبادت، معاشرت ہو یا معیشت، اخلاق ہو یا سیاسی و اجتماعی مسائل اور بین قومی تعلقات، زندگی کے تمام ہی شعبوں میں قرآن مجید سے روشنی حاصل کرنا انسانیت کے لئے بہت بڑی ضرورت ہے؛ اس لئے اجر و ثواب کے لحاظ سے بھی اور اپنے موضوع، غرض و غایت اور ضرورت کے اعتبار سے بھی تفسیر بہت ہی اہم فن ہے۔

1.4 لغوی و اصطلاحی معنی

تفسیر کا مادہ ''ف، س، ر'' ہے، جس کے معنی واضح کرنے اور کھولنے کے ہیں، علم تفسیر سے معانی قرآن کی وضاحت ہوتی ہے، اسی لئے اسے ''تفسیر'' کہتے ہیں۔

تفسیر کی فنی تعریف کے سلسلہ میں اہل علم نے مختلف باتیں لکھی ہیں، لیکن ان سب کا ماحصل ایک ہی ہے، اس سلسلہ میں علامہ بدر الدین زرکشی کی تعریف بہت واضح ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں :

عِلْمٌ يُفْهَمُ بِهِ كِتَابُ اللهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ بَيَانُ مَعَانِيْهِ وَاسْتِخْرَاجُ أَحْكَامِهِ وَحِكَمِهِ .

وہ علم جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کو سمجھا جائے، اس کی مرادات کو واضح کیا جائے اور اس سے احکام اور حکمتوں کا استخراج کیا جائے۔

اس تعریف میں قرآن سے متعلق سارے علوم شامل ہیں، علم قراءت، اسباب نزول کا علم، مفردات القرآن کا علم، قرآن کی ترکیبی

حیثیت کا علم، جو نحو و صرف اور معانی و بیان کے جاننے پر موقوف ہے اور قرآن سے احکام کا اخذ و استنباط اور اس کے قصص و واقعات اور آیاتِ منسوخہ سے آگہی؛ کیوں کہ ان سب کو جانے بغیر معانی قرآن کو سمجھا نہیں جاسکتا۔

تفسیر سے قریب ایک اور لفظ ''تاویل'' ہے، ''اَوّل'' کے معنی رجوع کرنے کے ہیں، جب کسی کلام کی وضاحت کرنی ہوتی ہے تو الفاظ کے راستہ سے معانی کی طرف رُجوع کیا جاتا ہے، اسی مناسبت سے تشریح قرآنی کے لئے تاویل کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ اصطلاحی اعتبار سے تفسیر اور تاویل ایک ہی ہے یا دونوں میں کچھ فرق ہے؟ — ابتدائی دور میں تو تفسیر اور تاویل کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھا جاتا تھا؛ لیکن بعد کے ادوار میں ان دونوں اصطلاحات کے درمیان تھوڑا سا فرق کیا جانے لگا، — تفسیر و تاویل کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، ایک رائے یہ ہے کہ اگر تشریح روایت کی بنیاد پر ہو تو تفسیر ہے اور اگر درایت یعنی فہم کی بنیاد پر ہو تو تاویل ہے، ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ عبارت سے جو مفہوم صراحتاً سمجھا جائے وہ تفسیر ہے اور جو بات اشارہ سے ثابت ہوتی ہو وہ تاویل ہے، اس طرح کے اور بھی اقوال ہیں، مگر اس سلسلہ میں زیادہ تر اہل علم کا رجحان امام ابوالمنصور ماتُرِیدی کے قول کی طرف ہے کہ آیات کے متبادر معنی کو بیان کرنا اور واضح مفہوم کو نقل کرنا 'تفسیر' ہے اور آیت سے دلیل کی بنیاد پر ایسا معنی مراد لینا، جس کی طرف بلا تأمل ذہن کا تبادر نہ ہوتا ہو یا جس میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو، ان میں سے ایک معنی کو متعین کرنا 'تاویل' ہے۔ — ویسے یہ محض تعبیری اختلاف ہے، قرآن کی تشریح و توضیح پر اس اختلاف کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

1.5 تفسیر قرآن کے ماخذ

قرآن مجید چوں کہ اللہ کا کلام ہے، اس لئے اس کی تشریح و توضیح میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے؛ اسی لئے وہ ماخذ متعین ہیں، جن کی مدد سے قرآن مجید کی تفسیر کی جاسکتی ہے، یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر ہر شخص کو اپنی رائے اور قیاس پر توضیحِ قرآن کا حق دے دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ اس سے قرآن مجید میں معنوی تحریف کا راستہ کھل جائے اور لوگ دور از کار تاویلات کے ذریعہ اپنی چاہت کو خدا کی چاہت کا رنگ دینے لگیں؛ اسی لئے ان مراجع اور ماخذ کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، جن کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کی جائے گی، یہ ماخذ پانچ ہیں :

1- قرآن مجید

2- حدیث نبوی

3- آثارِ صحابہ

4- عربی زبان

5- عقل سلیم

1.5.1 قرآن سے قرآن کی تفسیر

پہلا درجہ ظاہر ہے کہ قرآن کا ہے، یعنی قرآن کی تشریح خود قرآن سے کی جائے، جو لوگ قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں اور قرآن پر ان کی وسیع نظر ہوگئی ہے، ان کو اس کا خوب اندازہ ہے کہ قرآن کی بہت سی آیتیں ایک دوسرے کی تفسیر و توضیح ہیں، پس قرآن مجید کی ایک آیت

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * Hyderabad-34
IMC LIBRARY

کی وہ تشریح سب سے اہم ہے جس کو دوسری آیت بیان کرتی ہے، قرآن مجید کی ایک آیت سے دوسری آیت کی تفسیر وتشریح کی مختلف صورتیں ہیں

1- قرآن کی ایک آیت میں کوئی بات اجمال کے ساتھ کہی گئی، دوسری آیت نے اس کو واضح کر دیا، جیسے :

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه ۔(بقرہ:37)

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔

یہ کلمات جو حضرت آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے، کیا تھے؟ اس آیت میں اس کا ذکر نہیں ہے؛ لیکن دوسری آیت اس کو واضح کرتی ہے،

چنانچہ ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

قالا ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين . (اعراف:23)

آدم وحوا نے کہا: پروردگارا! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کرلیا ہے اور اگر آپ نے معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہیں فرمایا تو ہم ضرور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

—— اس آیت نے واضح کر دیا کہ پہلی آیت میں کلمات سے یہی دُعاء مراد ہے۔

☆ اسی طرح سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دُعاء کرائی ہے :

إهدنا الصراط المستقيم ، صراط الذين أنعمت عليهم . (الفاتحہ:7-6)

ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے، ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام کیا۔

—— اب سوال یہ ہے کہ انعام یافتہ لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں اور اس انعام سے مادی انعام مراد ہے یا روحانی انعام؟ اس آیت میں یہ بات واضح نہیں ہے، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين . (نساء:69)

یہی لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

—— اس آیت نے واضح کر دیا کہ یہاں انعام سے روحانی انعام مراد ہے اور انعام یافتہ لوگوں سے اس آیت میں مذکورہ چار گروہ مراد ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

و أنفقوا مما رزقناكم . (منافقون:10)

ہم نے جو کچھ عطا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رزق میں سے ''کچھ حصہ'' خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ لیکن کتنا حصہ خرچ کیا جائے؟ یہ واضح نہیں ہے، —— دوسری جگہ ارشاد ہے :

ویسألونک ماذا ینفقون قل العفو . (بقرہ:219)

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے: بچا ہوا۔

اس دوسری آیت نے واضح کر دیا کہ ”کچھ حصہ“ سے بچا ہوا حصہ مراد ہے۔

2- کبھی ایک جگہ مشترک لفظ استعمال کیا جاتا ہے، جس میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہے، دوسری آیت واضح کرتی ہے کہ یہاں لفظ مشترک کا کونسا معنی مراد ہے؟— جیسے :

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وليطوفوا بالبيت العتيق . (الحج:29)

اور چاہئے کہ ”بیت عتیق“ کا طواف کریں۔

”عتیق“ کے معنی قدیم اور پرانے کے ہیں، اس طرح اس آیت کے معنی ہوئے کہ ” قدیم گھر کا طواف کرنا چاہئے“— قدیم گھر متعدد ہوسکتے ہیں اور کسی بھی گھر کا نام ”بیت عتیق“ رکھا جا سکتا ہے، قرآن مجید کی ایک اور آیت ”بیت عتیق“ کی مراد کو واضح کرتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے :

إن أول بيت وضع للناس للذى ببكة مباركا . (آل عمران: 96)

بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (عبادت کی غرض سے بنایا گیا) مکہ میں ہے، جو برکت والا ہے

معلوم ہوا کہ بیت عتیق— جس کے طواف کا حکم دیا گیا ہے،— سے مراد مکہ میں تعمیر ہونے والا ”کعبۃ اللہ“ ہے، جو عبادت الٰہی کے لئے تعمیر ہونے والا سب سے قدیم گھر ہے۔

☆ اسی طرح ایک جگہ فرمایا گیا: ”والليل اذا عسعس“۔ (تکویر:17)

آیت میں اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی ہے اور اس کی کیفیت ”عسعس“ کے ذریعہ بیان کی ہے، عسعس کے معنی رات کے ”آنے کے“ بھی ہیں اور ”جانے کے“ بھی، قرآن میں دوسری جگہ فرمایا گیا: ”والليل اذا سجىٰ“ (ضحیٰ:3) ”رات کی قسم! جب وہ چھا جائے“— اس سے معلوم ہوا کہ رات کا آنا مراد ہے۔

3- بعض دفعہ ایک جگہ کوئی حکم کسی قید کے بغیر مطلقاً مذکور ہوتا ہے، دوسری جگہ وہی حکم قید کے ساتھ مذکور ہوتا ہے، اس سے وضاحت ہوتی ہے کہ یہ حکم قید کے ساتھ ہے بلا قید کے نہیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ومن يكفر بالايمان فقد حبط عمله . (المائدہ:5)

جو ایمان لانے کے بعد کفر کرے، اس کا عمل رائیگاں ہو جائے گا۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا :

ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فأولئک حبطت اعمالهم . (البقرۃ:217)

اور تم میں سے جو دین سے مرتد ہو جائے اور کفر کی حالت میں مرے، اس کے اعمال حبط ہو جائیں گے۔

اس دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ مرتد کے نیک اعمال اس وقت حبط ہوں گے، جب کہ کفر ہی پر اس کی موت ہوئی ہو، اگر اس نے ارتداد سے توبہ کر لی اور دوبارہ اسلام کے دائرہ میں آ گیا، تو اس کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔

☆ قرآن مجید میں حرام غذاؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا :

حرمت عليكم الميتة والدم . (مائدہ:3)

تم پر مردار اور خون حرام کئے گئے ہیں۔

—— دوسری جگہ حرام اشیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''أو دماً مسفوحاً '' (انعام:145)''...... یا بہتا ہوا خون'' —— معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں بھی مطلق خون مراد نہیں ہے؛ بلکہ بہتا ہوا خون مراد ہے۔

4- بعض دفعہ ایک آیت میں کوئی نامانوس لفظ استعمال ہوتا ہے، دوسری آیت میں اس مفہوم کو معروف ومتداول لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس طرح ایک لفظ سے دوسرے لفظ کی تشریح ہو جاتی ہے، جیسے :

وأمطرنا عليهم حجارة من سجيل . (الحجر:74)

اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے۔

—— اس میں ''سجیل'' سے گارے سے بنا ہوا کنکر مراد ہے، یہ بات ''لنرسل عليهم حجارة من طين ''(ذاریات:33) سے واضح ہوتی ہے۔

5- کبھی ایک جگہ کسی واقعہ کو اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے، جیسے :

وإذ واعدنا موسىٰ اربعين ليلة ثم اتخذتم العجل من بعده . (بقرہ:51)

اور وہ وقت بھی یاد کئے جانے کے لائق ہے، جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا۔

دوسری جگہ چالیس راتوں کی تفصیل ہے کہ پہلے تیس راتوں کے اعتکاف کا حکم دیا گیا، پھر اس پر دس راتوں کا اضافہ کیا گیا:

وواعدنا موسىٰ ثلاثين ليلة واتممنا ها بعشر فتم ميقات ربه اربعين ليلة . (اعراف:142)

قرآن مجید میں انبیاء اور مختلف فرقوں کے واقعات عام طور پر اسی طرح ذکر کئے گئے ہیں، کہیں مختصر اور مبہم، کہیں مفصل اور وضاحت کے ساتھ۔

6- کبھی ایک جگہ کوئی حکم عموم کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اس کی تخصیص کی جاتی ہے، جیسے :

الزانية والزانى فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة . (النور:2)

زنا کرنے والے مرد وعورت میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے :

فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب . (النساء:25)

باندیوں کے لئے شادی شدہ کے مقابلہ نصف سزا ہے۔

معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں جو سو کوڑے کی سزا ہے، اس کا تعلق آزاد مردوں اور عورتوں سے ہے، غلاموں اور باندیوں کی سزا اس کے مقابلہ میں

نصف ہے، یعنی پچاس کوڑے۔

7- قرآن سے قرآن کی تفسیر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بعض کلماتِ قرآن کے سلسلہ میں ایک سے زیادہ قراءتیں منقول ہیں، ان میں ایک قراءت دوسری قراءت کی مراد متعین کرنے میں معاون ہوتی ہے، جیسے :

☆ کفارۂ قسم کے سلسلہ میں فرمایا گیا: ''فصیام ثلاثة ایام'' (مائدہ:88) یعنی: پس تین دن روزہ رکھنا ہے ___ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''فصیام ثلاثة ایام متتابعات'' ہے۔ یعنی: پس تین دن لگاتار روزہ رکھنا ہے، اس سے یہ بات اخذ کی گئی ہے کہ کفارہ کے یہ تین روزے مسلسل رکھے جانے ضروری ہیں۔

☆ اسی طرح چوری کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے :

السارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما . (مائدہ:38)

چوری کرنے والے مرد وعورت کے ہاتھ کاٹو۔

اس قراءت میں واضح نہیں ہے کہ دونوں ہاتھ کاٹا جائے یا ایک اور ایک کاٹنا ہو تو کونسا ہاتھ کاٹا جائے؟ ___ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''فاقطعوا ایدیهم'' کی بجائے ''فاقطعوا ایمانهما'' ہے، یعنی: دایاں ہاتھ کاٹو، اس قراءت سے وضاحت ہوگئی کہ ایک ہاتھ اور دایاں ہاتھ کاٹنا مراد ہے۔

اسی طرح قرآن کی بہت سی آیتیں ہیں، جو ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں۔

1.5.2 حدیث سے تفسیر

تفسیر کا دوسرا ماخذ حدیث نبوی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ آپ اپنے قول وعمل کے ذریعہ قرآن مجید کی توضیح فرمائیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم . (نحل :44)

اور ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل فرمایا ہے کہ جو باتیں ان کی طرف نازل کی گئی ہیں، انھیں آپ ان پر واضح فرمادیں۔

___ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کا سب سے بڑا ماخذ 'حدیث' ہے اور جن کتابوں کو 'تفسیر بالماثور' کی کتابیں کہا جاتا ہے، انھیں دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ قرآن مجید کی تشریح وتوضیح میں حدیث کا کتنا اہم کردار ہے؟

حدیث سے قرآن کی توضیح کی چند بنیادی صورتیں یہ ہیں :

1- قرآن میں بہت سے احکام نہایت اجمال کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور ان کی کیفیت پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، حدیث اس اجمال کی توضیح کرتی ہے، جیسے :

☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''أقیموا الصلوة و آتوا الزكوة'' نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، لیکن کیفیاتِ نماز اور احکام زکوٰۃ کی تفصیل حدیث کے بغیر متعین نہیں ہوسکتی۔

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU
IMC LIBRARY
Hyderabad-34.

☆ طواف کا حکم دیا گیا، و لیطوفوا بالبیت العتیق، (الحج:29) لیکن طواف کا طریقہ ہمیں حدیث میں ہی ملتا ہے۔

☆ ارشاد ہوا کہ زمین کی حلال وطیب چیزوں کو کھاؤ، کلوا مما فی الأرض حلالا طیباً (البقرۃ:168)؛ لیکن حلال وطیب میں کونسی چیزیں داخل ہیں اور کونسی چیزیں اس سے باہر ہیں؟ یہ ہمیں حدیث ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

2- قرآن مجید میں بعض اشیاء کا بھی مبہم ذکر فرمایا گیا ہے، جیسے :

☆ إنا اعطیناک الکوثر . (کوثر:1)

ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔

اب اس آیت میں ''کوثر'' سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت حدیث سے ہوتی ہے، کہ یہ ایک خاص حوض ہے، جس سے میدان حشر میں آپ ﷺ اپنی اُمت کو پانی عنایت فرمائیں گے۔

☆ اسی طرح ارشاد ہے: ''لمسجد اسس علی التقوی'' (توبہ:108) اس سے کونسی مسجد مراد ہے؟ —— یہ ہمیں حدیث وسیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ 'مسجد قبا' اس کا مصداق ہے۔

3- قرآن میں بہت سے عددی اشارات ہیں، ان کی توضیح ہمیں حدیث کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی، مثلاً :

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ثانی اثنین إذ هما فی الغار . (توبہ:40)

دو میں کا دوسرا جب وہ دونوں غار میں تھے۔

—— اب یہ بات کہ ثانی اثنین سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مراد تھے، حدیث ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وعلی الثلاثة الذین خلفوا، (توبہ:118) یعنی ''پیچھے رہ جانے والے تین لوگوں پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی تھی'' —— اب تین لوگوں سے کون صحابہ مراد ہیں؟ اس کا علم حدیث ہی سے ہوسکتا ہے، کہ یہ تین کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہم تھے، جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے —— یہ چند مثالیں ہیں، ان کے علاوہ بھی قرآن میں بہت سے عددی اشارات ہیں، جن کی توضیح وتشریح حدیث کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

4- قرآن میں بعض واقعات کی طرف مبہم اشارہ کیا گیا ہے، حدیثیں یہ بتاتی ہیں کہ اس کی مراد کیا ہے اور صاحب واقعہ کون ہیں؟

☆ جیسے ارشاد ہے :

عبس وتولیٰ أن جاءه الأعمی . (عبس:1-2)

پیشانی شکن آلود ہوگئی اور چہرہ پھیر لیا کہ ان کے پاس نابینا آگئے۔

—— اب یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر شکن آگیا اور آنے والے نابینا حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ تھے، ہمیں حدیث ہی سے معلوم ہوتی ہے۔

☆ اسی طرح ارشاد ربانی ہے :

وإذ أسرّ النبی إلی بعض أزواجه حدیثاً . (تحریم:3)

اور جب نبی نے اپنی بعض بیویوں سے ایک بات راز داری کے ساتھ کہی۔

راز داری والی بات کیا تھی؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہ بات کس زوجہ سے فرمائی تھی؟ اسے حدیث کے بغیر نہیں جانا جاسکتا، حدیث بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت حفصہ ؓ کو راز دار بنایا تھا۔

5- قرآن مجید کے بعض الفاظ ایسے ہیں، جن میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہے، حدیث اس احتمال کو متعین کرتی ہے، جیسے ارشاد ہے :

حافظوا علی الصلوات و الصلاة الوسطی . (بقرہ:238)

نمازوں اور (خاص کر) درمیانی نماز کی پابندی کرو۔

چوں کہ نمازیں پانچ ہیں، اس لئے ہر نماز بقیہ نمازوں کی نسبت سے درمیانی نماز ہے، اب سوال یہ ہے کہ 'صلاۃ وسطی' سے کونسی نماز مراد ہے؟ حدیث نے بتایا کہ اس سے نماز عصر مراد ہے۔

6- اسی طرح قرآن مجید کے بعض مشکل مقامات کی توضیح حدیث کے بغیر نہیں ہوسکتی، جیسے قرآن میں فرمایا گیا :

الذین آمنوا ولم یلبسوا إیمانهم بظلم أولئک لهم الأمن وهم مهتدون . (أنعام :83)

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا، ان ہی کے لئے (آخرت کا) امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

——قرآن کی زبان میں ہر گناہ ظلم ہے، تو بظاہر اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو ایمان کے ساتھ کسی بھی گناہ کا مرتکب ہو، وہ آخرت کے امن کو نہیں پاسکتا، ظاہر ہے یہ ایسی بات ہے کہ اس کے بعد کسی بھی انسان کی نجات دشوار ہے، اس لئے صحابہ کو اس سے بہت گرانی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مراد واضح فرمائی کہ یہاں ظلم سے شرک مراد ہے، جو سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے لئے قرآن مجید ہی کی آیت پیش فرمائی: ''إن الشرک لظلم عظیم''۔ (لقمان:13)

7- کبھی قرآن مجید میں کوئی حکم عموم و اطلاق کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمومی حکم سے بعض صورتیں مستثنیٰ بھی ہیں یا یہ کہ یہ حکم بلا قید نہیں ہے، جیسے :

☆ آیت میراث (نساء:11) بہ ظاہر عام ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں جن رشتہ داروں کا ذکر آیا ہے، وہ بہر حال اس کے ترکہ میں وارث ہوں گے؛ لیکن حدیث واضح کرتی ہے کہ قاتل اور غیر مسلم اپنے مقتول اور مسلمان رشتہ دار سے وارث نہیں ہوں گے۔

8- کبھی قرآن مجید میں وارد ہونے والا کوئی لفظ اپنی مراد کے اعتبار سے نامانوس ہوتا ہے، حدیث سے اس کا مصداق متعین ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

و کذالک جعلناکم امة و سطا . (بقرہ:114)

ہم نے تم لوگوں کو اُمت وسط بنایا۔

یہاں ''وسط'' سے کیا مراد ہے؟ یہ وضاحت طلب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح ''عدل'' سے فرمائی، یعنی اُمت محمدیہ عدل و اعتدال کی حامل اُمت ہے۔

9- بعض واقعات کی طرف قرآن مجید میں محض اشارہ کردیا گیا ہے، حدیث کے ذریعہ ہمیں ان واقعات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، جیسے ''واقعۂ اسراء و معراج، اصحابِ اخدود کا قصہ''۔

1.5.3 تفسیر اور آثارِ صحابہ

تفسیر کا تیسرا ماخذ، صحابہ کے اقوال وارشادات ہیں، جس شخص نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اور اسلام ہی پر اس کی موت ہوئی ہو، اس کو ''صحابی'' کہتے ہیں ــــ صحابہ نے چوں کہ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سیکھا اور سمجھا ہے؛ اس لئے قرآن وحدیث کی تشریح وتوضیح میں ان کی وضاحتوں اور اقوال کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اور جن آیات کی تفسیر میں قرآن وحدیث سے روشنی نہیں ملتی ہو، ان میں صحابہ کے اقوال تفسیر کا سب سے اہم ماخذ ہیں۔

صحابہ کے تفسیری اقوال تین طرح کے ہیں :

(الف) ایسے اقوال جن میں ذاتی قیاس واجتہاد کی گنجائش نہ ہو اور غالب گمان ہو کہ انھوں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی نقل کیا ہوگا۔

(ب) وہ اقوال جن میں ذاتی اجتہاد وقیاس کی گنجائش ہو۔

(ج) وہ اقوال جو پچھلی اقوام سے متعلق ہوں اور اس بات کا امکان ہو کہ انھیں اہل کتاب سے سنا گیا ہوگا۔

(الف) پہلی قسم کے تفسیری اقوال معتبر ہیں اور حدیث کے درجہ میں ہیں، اس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں :

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت ''لقد رأی من آیات ربه الکبریٰ'' (نجم:18) یعنی: تحقیق کہ انھوں نے اپنے رب کی بڑی نشانی دیکھی ہے۔ کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس سے ''سفید رفرف'' مراد ہے، جو پورے اُفق پر چھا گیا تھا۔ (بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر:4858)

☆ ''فکان قاب قوسین أو ادنی فأوحی الی عبده ما اوحی'' (نجم:10-9) یعنی: پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک۔ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ اس سے حضرت جبرئیل مراد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی اصل شکل میں دیکھا؛ جب کہ ان کے چھ سو باز و تھے۔ (بخاری: کتاب التفسیر، حدیث نمبر:4856)

☆ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جن صاحب کا ذکر ہے، ان کے نام کی صراحت نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ حضرت خضر ہیں۔ (بخاری: کتاب الانبیاء، حدیث نمبر:2400)

☆ سورۂ طور میں ''سقف مرفوع'' (بلند چھت) کا ذکر آیا ہے، (طور:5) ــــ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے آسمان مراد ہے (طبری:18/27)

اس طرح کے بہت سے تفسیری اقوال ہیں، جن میں اجتہاد کو دخل نہیں اور بہ ظاہر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی انھوں نے فرمایا ہوگا، ایسے اقوال اگر مستند طور پر ثابت ہوں تو وہ حدیث کے درجہ میں ہیں اور حجت ہیں۔

صحابہ کی تفسیر مختلف جہتوں سے قرآن مجید کے سمجھنے میں معاون بنتی ہے۔

1- کبھی اس سے مبہم ومجمل مضامین کی وضاحت ہوتی ہے، جیسے :

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

هذان خصمان اختصموا فی ربهم . (الحج:19)
یہ دوفریق ہیں جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت غزوۂ بدر میں حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم کے عقبہ، شیبہ اور ولید کے مقابلہ نکلنے کے سلسلہ میں ہے۔

☆ آیت قرآنی :

إدفع بالتی هی احسن . (فصلت:34)
برائی کا بھلائی سے دفاع کرو۔

میں بہتر طریقہ پر دفاع سے کیا مراد ہے؟ — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غصہ کے وقت صبر سے کام لے اور فریق مخالف کی طرف سے بدسلوکی و بدکلامی پر معاف کردے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ولنذیقنهم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر . (سجدہ:21)
بالیقین ہم انھیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قریبی عذاب سے مراد دنیا کے مصائب ہیں۔

2- مضامین قرآن کو سمجھنے میں ان واقعات کی بڑی اہمیت ہے، جن کے پس منظر میں آیات نازل ہوئی ہیں، اس سلسلہ میں آثار صحابہ سے بڑی روشنی ملتی ہے، مثلاً :

☆ إذ جاء و کم من فوقکم ومن اسفل منکم واذا زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر . (احزاب:10)

جب کہ دشمن تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منھ کو آگئے

اس آیت میں کس موقع کا نقشہ کھینچا گیا ہے؟ — یہ ہمیں حضرت عائشہؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس میں غزوۂ خندق کے زمانہ کا ذکر ہے۔

☆ زمانۂ جاہلیت میں جن بتوں کی پوجا کی جاتی تھی، ان میں ایک کا نام ''لات'' تھا، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، (نجم:19) — حضرت عبداللہ بن عباس کے قول سے وضاحت ہوتی ہے کہ ایک شخص حاجیوں کے لئے ستو گوندھنے کی خدمت انجام دیتا تھا، یہ بت اسی کی یادگار کے طور پر تھا۔ (بخاری، حدیث نمبر:4859)

☆ قرآن مجید میں حج کے افعال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :

ثم افیضوا من حیث افاض الناس . (بقرہ:199)
پھر تم اس جگہ سے (جا کر) لوٹو، جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE MANUU
IMC LIBRARY
Hyderabad-34.

''لوگ'' کہاں جا کر لوٹتے تھے اور حاجیوں کو کہاں جانے کا حکم ہے؟ —— قرآن میں اس کی صراحت نہیں ہے، اس کی وضاحت حضرت عائشہؓ کے ارشاد سے ہوتی ہے کہ قریش حج میں مزدلفہ تک جاتے تھے اور عرفات چوں کہ حرم سے باہر ہے، اس لئے وہاں نہیں جاتے تھے اور اس کو اپنا امتیاز خیال کرتے تھے، دوسرے حجاج عرفات بھی جاتے تھے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہل مکہ کو حکم دیا گیا ہے، کہ جیسے دوسرے لوگ عرفات جاتے ہیں، اہل مکہ کو بھی عرفات جانا چاہئے۔

3- قرآن مجید کی بہت سی آیات کسی خاص واقعہ کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں، اگر چہ ان آیات میں دیئے گئے احکام عام ہیں اور انھیں واقعات کے ساتھ خاص نہیں ہیں، تاہم ان واقعات سے آیت کا مفہوم سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے، ان کو اصطلاح میں ''اسبابِ نزول'' یا ''شانِ نزول'' کہا جاتا ہے، ان کی بھی تفسیر میں خاص اہمیت ہے، زیادہ تر اسبابِ نزول صحابہ ہی سے منقول ہیں۔

4- قرآن مجید میں بعض احکام اس طرح ذکر کئے گئے ہیں کہ بہ ظاہر وہ عام معلوم ہوتے ہیں، صحابہ کے تفسیری اقوال سے وضاحت ہوتی ہے کہ بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ بھی ہیں، جیسے عدت وفات کے سلسلہ میں قرآن مجید کا بیان ہے :

والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهن أربعة اشهر وعشراً. (بقرہ:234)

اور تم میں سے جن کی وفات ہو جائے اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس روز رکی رہیں۔

بہ ظاہر اس آیت میں حاملہ اور غیر حاملہ تمام بیوہ عورتوں کی عدت چار ماہ دس دن بتائی گئی ہے؛ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ حکم ان عورتوں کے لئے ہے، جو حاملہ نہ ہوں، حاملہ کی عدت بچہ کی ولادت تک ہی ہے، خواہ ولادت چار ماہ دس دنوں کے بعد ہو یا اس سے پہلے ہی ہو جائے؛ کیوں کہ حاملہ کی عدت قرآن مجید کی ایک اور آیت میں یہی بیان کی گئی ہے: ''وأولات الاحمال أجلهن أن يضعن حملهن''۔ (طلاق:4)

5- اسی طرح صحابہ کی تفسیر سے بعض آیات کے بارے میں وضاحت ہوتی ہے کہ ان آیات کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، جیسے:

☆ وعلى الذين يطيقونه ، فدية طعام مسكين . (بقرہ:184)

اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں، وہ ایک مسکین کے کھانے کے ذریعہ فدیہ بھی دے سکتے ہیں۔

حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کے بارے میں کہا کہ یہ ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' (البقرة: 185) ''جس پر بھی ماہ رمضان آئے، اسے روزہ رکھنا چاہئے'' سے منسوخ ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وإن تبدو مافى انفسكم أو تخفوه يحاسبكم به الله . (بقرہ:284)

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

غرض کہ آثار صحابہ تفسیر قرآن کے لئے ایک اہم ماخذ ہے، اسی لئے جو کتابیں 'تفسیر بالماثور' کے منہج پر لکھی گئی ہیں، ان میں کثرت سے صحابہ کے آثار نقل کئے گئے ہیں اور اگر صحابہ کے تفسیری اقوال معتبر سندوں سے نقل کئے گئے ہوں تو وہ تفسیر میں معتبر و مقبول ہیں۔

(ب) صحابہ کے بعض تفسیری اقوال ان اُمور سے متعلق ہیں، جن میں قیاس واجتہاد کی گنجائش ہے، یہ اقوال حجت نہیں ہیں، جیسے :

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سورۃ نصر کے بارے میں فرمایا کہ اس میں ''فتح'' سے فتح مکہ مراد ہے اور اشارہ ہے کہ اب آپ کی وفات کا وقت قریب آچکا ہے، ظاہر ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے۔

☆ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا کہ قرآن مجید میں ایک طرف کہا گیا ہے کہ قیامت میں کوئی رشتہ یاد نہیں رہے گا اور لوگ ایک دوسرے سے کچھ دریافت کرنے کا بھی یارانہ پائیں گے ''فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساء لون ''(مومنون: 101) دوسری طرف فرمایا گیا کہ وہ ایک دوسرے سے استفسار کریں گے ''وأقبل بعضھم علی بعض یتساء لون ''(صافات:27) ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے؟ —— عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلی آیت میں جو کیفیت بیان کی گئی ہے، وہ قیامت میں دوسرا صور پھونکنے کے بعد ہوگی اور دوسری آیت کا تعلق تیسرے صور پھونکنے کے بعد سے ہے۔ (بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر حم السجدہ)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی نے ''کاساً دھاقا'' (عم:34) کی تفسیر ایسے پیمانوں سے کی ہے، جو بھرے ہوئے ہوں اور مسلسل دیئے جائیں، اور انھوں نے اس پر زمانۂ جاہلیت کے استعمال سے استدلال کیا ہے۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ صحابہ نے کوئی بات پچھلی اقوام یا کتابوں سے متعلق کی ہو، یہ حجت نہیں ہے؛ البتہ اگر اس کا مضمون کتاب وسنت کے مغائر نہیں ہو تو اسے قبول کیا جاسکتا ہے، مثلاً قرآن مجید کی آیت :

فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون فى الارض . (المائدہ: 26)

......وہ (بیت المقدس) ان پر چالیس سال کے لئے حرام ہے، وہ زمین میں بھٹکتے رہیں گے۔

—— کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تفصیل منقول ہے کہ اس وقت جن لوگوں کی عمر بیس سال تھی، ان لوگوں کا میدان تیہ میں انتقال ہوگیا، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی بھی وفات ہوگئی اور حضرت یوشع نے بیت المقدس کو فتح کیا —— اسی نوعیت کی روایت ہے، چوں کہ اس تفصیل کا کتاب وسنت سے تعارض نہیں ہے، اس لئے اس کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

1.5.4 تفسیر اور عربی زبان ولغت

تفسیر کا چوتھا ماخذ 'عربی زبان ولغت' ہے، قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے، عربی لغت اور عربی قواعد کے محاورات کے بغیر قرآن مجید کو سمجھا نہیں جاسکتا؛ اس لئے ظاہر ہے کہ عربی زبان تفسیر قرآن کا ایک اہم ترین ماخذ ہے؛ لیکن اگر خود قرآن مجید کی کسی آیت سے یا حدیث اور صحابہ کے متفقہ قول سے معلوم ہو کہ کوئی لفظ اپنے معنی لغوی میں استعمال نہیں ہوا ہے، تو وہاں لغوی معنی پر وہ تشریح مقدم ہوگی، جو قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہو۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

انها بقرة صفراء فاقع لونها . (البقرہ:69)

اہل علم نے ''صفراء'' کا ترجمہ نہایت زرد رنگ سے کیا ہے؛ لیکن بعض حضرات نے نہایت سیاہ سے بھی اس کا ترجمہ کردیا ہے، یہ عربی زبان سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہے، علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اگر اونٹ کے لئے ''صفراء'' کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے سیاہ اونٹ مراد

ہوتے ہیں؛ کیوں کہ اس کی سیاہی زردی مائل ہوا کرتی ہے، برخلاف بقرہ (گائے) کے، کہ اس کی صفت ''صفراء'' لائی جائے تو زرد رنگ ہی مراد ہوتا ہے۔

عربی زبان سے کماحقہ واقف نہ ہونے کی وجہ سے بعض دفعہ مضحکہ خیز غلطی ہو جاتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

یوم ندعوا کل اناس بامامھم . (اسراء:71)

یہاں 'امام' کے معنی سردار کے ہیں؛ لیکن بعض لوگوں نے 'امام' کو اُم (ماں) کی جمع مان لیا اور اس آیت کا مطلب یہ سمجھا کہ قیامت میں لوگوں کو ماؤں کی نسبت سے بلایا جائے گا؛ حالاں کہ ''ام'' کی جمع ''امھات'' آتی ہے نہ کہ امام۔

اسی طرح قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ''**فقلنا اضرب بعصاک الحجر** ''(البقرۃ :7) — یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ پتھر پر اپنی لاٹھی سے ماریں، اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑیں گے، — بعض لوگوں نے یہاں ''ضرب'' کے معنی مارنے کے بجائے چلنے کے کئے ہیں، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چڑھ جائیں، مگر یہ تفسیر درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہاں ضرب کا صلہ ''ب'' آیا ہے اور جب صلہ ''ب'' ہو تو اس کے معنی مارنے کے آتے ہیں اور جب اس کا صلہ ''فی'' ہو تب چلنے کے معنی آتے ہیں۔

1.5.5 تفسیر اور عقل سلیم

تفسیر قرآن کا پانچواں ماخذ 'عقل سلیم' ہے، بہت سی آیات کا مفہوم عقل اور اہل عقل کی تحقیق سے متعین ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے بچہ کے رحم مادر میں ہونے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''**فی ظلمات ثلاث** '' (زمر:6) یعنی ''جنین تین تاریک پردوں کے اندر رہتا ہے''۔ حیرت انگیز طور پر آج کی سائنس یہ بتاتی ہے کہ جنین واقعی تین پردوں میں ہوتا ہے، پیٹ کی دیوار، رحم مادر کا پردہ اور بچہ دانی کی اندرونی جھلی، اس طرح کے بہت سے سائنسی حقائق ہیں، جنھوں نے قرآن کی بعض آیات کے سمجھنے کو آسان کر دیا ہے؛ لیکن اس میں دو باتیں نہایت اہم ہیں :

اول: یہ کہ ہر عقل، عقل سلیم نہیں ہوتی، اس لئے جو شخص جو کچھ سمجھ لے قرآن مجید کے الفاظ کو اس پر منطبق کرنے لگے، یہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ انسان کی عقل ٹھوکر کھاتی رہتی ہے۔

دوسرے: قرآن کا اصل موضوع ہدایت ہے، یعنی انسان کو خدا سے جوڑنا اور اسے خدا کی مرضیات اور منہیات کے بارے میں بتانا؛ اس لئے بہ تکلف قرآن سے عقلی تصورات کو ثابت کرنا درست نہیں، ورنہ مستقبل میں اگر نظریات بدل جائیں اور گذشتہ فکر غلط ثابت ہو، تو قرآن مجید کی حقانیت کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔

تفسیر قرآن کے دو ایسے ماخذ کا ذکر بھی ضروری ہے، جو نا معتبر ہیں :

1.5.6 اسرائیلی روایات

اول: اسرائیلی روایات، اس سے مراد بائبل کے بیانات ہیں، چوں کہ قرن اول ہی میں بہت سے علماء اہل کتاب نے اسلام قبول کیا تھا اور قرآن مجید میں متعدد ایسے واقعات موجود ہیں، جن کا ذکر تورات وانجیل میں بھی ہے، اس لئے بعض علماء اسلام نے تفسیر میں معلومات میں اضافہ کے لئے اسرائیلی روایات کو شامل کر دیا اور بتدریج یہ غیر معتبر روایتیں تسلیم شدہ اقوال کے طور پر نقل ہوتی گئیں، اس سے تفسیر کے صاف و

شفاف مواد کو بہت نقصان پہنچا اور بعض ایسی باتیں تفسیر کا حصہ بن گئیں، جو اسلامی تعلیمات کے بالکل مغائر ہیں، یا جن میں انبیاء کرام کی عظمت کو مجروح کیا گیا ہے، یا وہ عقل و مشاہدہ کے خلاف ہیں، اس لئے اسرائیلیات کے سلسلے میں علماء کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ یہ روایات تین طرح کی ہیں :

ایک: وہ جن کا درست ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے، —— ان کو قبول کیا جائے گا۔

دوسرے: وہ جو قرآن و حدیث سے متعارض ہوں یا عقل کے خلاف ہوں، —— ان کا اعتبار نہیں اور ان کو بلا تنقید نقل کرنا بھی درست نہیں۔

تیسرے: وہ اسرائیلی روایات ہیں جو نہ پہلی قسم میں داخل ہیں اور نہ دوسری قسم میں، ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے گا، نہ ہم اس کی تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب، اسرائیلیات کے بارے میں اس اُصول کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ہے :

لا تصدقوا اهل الكتاب و لا تكذبوه وقولوا آمنا بالله وما انزل الينا .

(بخاری : کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ البقرۃ ، حدیث نمبر : 4485)

اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ انھیں جھٹلاؤ، اور کہو ہم اللہ پر اور اللہ کی طرف سے ہم پر جو کتاب نازل ہوئی ہے، اس پر ایمان لائے۔

1.5.7 تفسیر بالرائے

دوسرے: محض اپنی رائے کی بناء پر قرآن مجید کی تفسیر کی اجازت نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ .

(ترمذی : باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایہ ،حدیث نمبر:2952)

جو شخص قرآن مجید میں اپنی رائے سے کلام کرے، اگر وہ صحیح بات بھی کہے، تب بھی اس نے غلطی کی۔

—— اس حدیث میں ہر رائے کی مذمت کرنا مقصود نہیں ہے، جو رائے قرآن و حدیث کے مطالعہ، قواعد شرعیہ اور علم و تحقیق پر مبنی ہو، وہ تو مطلوب ہے، یہاں رائے سے مراد ''خود رائی'' ہے، یعنی کوئی شخص پہلے سے کوئی رائے قائم کر لے اور بہ تکلف اسے قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرے؛ حالاں کہ قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور عربی زبان و لغت اس رائے کے خلاف جاتے ہوں۔

یہاں اس کی چند مثال ذکر کی جاتی ہے :

☆ وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة . (القیامۃ:22)

اس دن چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

چوں کہ معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ اس دنیا میں ہو سکتا ہے نہ آخرت میں، اور اس آیت سے جنت میں دیدار الٰہی کا ثبوت مل رہا ہے؛ اس لئے انھوں نے ''ناظرۃ'' کا مفہوم بیان کیا کہ وہ اللہ کی طرف اُمید لگائے ہوں گے، یہ ظاہر ہے عربی لغت کے خلاف ہے۔

☆ وكلم الله موسىٰ تكليماً . (النساء:164)

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے گفتگو کی۔

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE LIBRARY * MANUU * HYDERABAD
Accn. No BA-0332
Date 03.08.2015
INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * Hyderabad-34
IMC LIBRARY

چوں کہ بعض لوگ اللہ کے انسان سے گفتگو کرنے کو محال سمجھتے ہیں؛ اس لئے انھوں نے یہاں ''کَلَّمَ'' کو ''کَلْمٌ'' سے ماخوذ مانا ہے جس کے معنی زخم کے آتے ہیں، پھر اس آیت کی تشریح اس طرح سے کی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو مصائب کے ناخنوں اور فتنوں کے پنجوں سے زخمی کیا۔

☆ اسی طرح روافض نے بہت سی آیات کی تشریح کی اور اس کے ظاہری معنی سے ہٹ کر اپنی فکر کی تائید کے لئے حسبِ خواہش تشریح کی، جیسے

☆ ...... ولا تقربا هذه الشجرة . (البقرة:35)

(اے آدم وحوا!) تم دونوں اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔

اس آیت میں جنت کے ممنوعہ درخت کا ذکر ہے؛ لیکن بعض شیعہ مفسرین کے نزدیک اس درخت کا نام ''شجرۂ علم'' ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے لئے مخصوص ہے، دوسروں کو اس میں سے کھانے کی اجازت نہیں، یہ تفسیر حسن عسکری کی طرف منسوب ہے، ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں یا حدیثوں میں کہیں اس کا کوئی اشارہ تک موجود نہیں۔

☆ اسی طرح علامہ طبرسی نے قرآن مجید کی آیت :

انما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الذين يقيمون الصلوٰة ويوتون الزكوٰة وهم راكعون .

(المائدہ:55)

بے شک تمہارے دوست اللہ، اس کے رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں۔

— کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں ''الذین آمنوا'' سے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلا فصل ہیں — ظاہر ہے کہ اس دعویٰ پر قرآن مجید کے الفاظ میں کوئی دلیل نہیں؛ کیوں کہ ''الذین آمنوا'' جمع کا صیغہ ہے اور تمام مومنوں کو شامل ہے، اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہوتے تو اللہ نے وضاحت کے ساتھ ان کا نام ذکر فرمایا ہوتا۔

جہاں قرآن مجید کے حفاظ اور قراء کے ذریعہ قرآن مجید کے الفاظ کی حفاظت ہوئی ہے، وہیں تفسیر کے سلسلہ میں مفسرین نے اخذ و استنباط کے جو اُصول مقرر کئے ہیں، ان سے قرآن مجید کے معانی کی حفاظت ہوئی ہے اور تحریف معنوی کا راستہ بند ہوا ہے۔

1.6 تفسیر — عہد نبوی و عہد صحابہ میں

رسول اللہ ﷺ کے ذمہ صرف قرآن مجید کو پہنچانا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کی تشریح بھی آپ کی ذمہ داری تھی، اس لئے تفسیر قرآن کا آغاز آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات سے ہوتا ہے، چنانچہ کتبِ حدیث میں تفسیر سے متعلق مستقل ابواب قائم کئے گئے ہیں اور اس سلسلہ میں کتنی ہی حدیثیں حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہیں، بلکہ پورا ذخیرۂ حدیث ہی الفاظِ قرآنی کی تشریح یا اس کے مجمل احکام کی توضیح ہے۔

حضور ﷺ سے براہِ راست قرآن مجید کو صحابہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا ہے، اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہ میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے، جن سے قرآن مجید کی تشریح و توضیح منقول ہے، لیکن دس صحابہ وہ ہیں، جن کو اس فن میں امتیازی حیثیت حاصل تھی، ان کے نام یہ ہیں:

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
(2) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
(3) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
(4) حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ
(5) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
(6) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
(7) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
(8) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
(9) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
(10) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

پھر ان صحابہ رضی اللہ عنہ میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے زیادہ تفسیری روایات منقول ہیں، خاص کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تو خود حضور ﷺ نے ''ترجمان القرآن'' کا خطاب دیا ہے، اور ان کی تفسیری مرویات سب سے زیادہ تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں، لیکن محدثین کے نزدیک ان میں سے بہت کم روایتیں قابل اعتبار ہیں۔

ان صحابہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ تر جو تفسیری روایات منقول ہیں ان کی سند مختصر طور پر ذکر کی جاتی ہیں؛ تاکہ ان کی تفسیری روایات میں سے معتبر اور نامعتبر مرویات کا ایک حد تک اندازہ ہو سکے:

☆ عبداللہ بن عباس کی مرویات

1- معاویہ بن صالح ← علی بن ابی طلحہ ← عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

2- قیس بن مسلم کوفی ← عطاء بن السائب ← سعید ابن جبیر ← عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

3- محمد ابن اسحاق ← محمد بن ابی محمد مولیٰ آلِ زید بن ثابت ← عکرمہ ← سعید بن جبیر ← عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

4- اسماعیل بن عبدالرحمٰن سُدّی کبیر ← ابومالک ← ابوصالح ← عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

5- عبدالملک بن جُریج ← عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

6- ضحاک بن مُزاحم ہلالی ← عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

7- عطیہ عوفی ← عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

8- مُقاتل بن سلیمان خراسانی ← مجاہد ← ضحاک ← عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

9- محمد بن سائب کلبی ← ابوصالح ← عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

ان میں سے پہلی سند حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات میں سب سے قوی سمجھی گئی ہے اور امام بخاری نے بھی اسی سند کی مرویات کو اپنی کتاب میں تعلیقاً نقل کیا ہے، دوسری سند بھی معتبر ہے، جسے بخاری و مسلم کے معیار پر مانا گیا ہے، تیسری سند حسن کے درجہ کی ہے؛ البتہ پہلی دو سندوں سے کم تر سمجھی گئی ہے، چوتھی اور پانچویں سندیں قابل تحقیق ہیں، نہ اِن اَسناد کی تمام مرویات معتبر ہیں اور نہ تمام مرویات نا معتبر ہیں، چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور نویں سندیں ضعیف اور نا معتبر سمجھی گئی ہیں —— یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیری مرویات کو علامہ ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی مصنف: ''القاموس المحیط'' نے ''تنویر المقباس'' کے نام سے جمع کیا ہے، یہ روایتیں محمد بن سائب کلبی کے واسطے سے ہیں، جن کو محدثین نے نہ صرف ضعیف مانا ہے؛ بلکہ ان کو واضع حدیث بھی قرار دیا ہے۔

☆ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی تفسیری مرویات

1- اَعمش ← ابوالضحیٰ ← مَسروق ← عَبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

2- مجاہد ← ابومَعمر ← عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

3- اعمش ← ابووائل ← عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

4- سُدّی کبیر ← مُرّہ ہمدانی ← عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

5- ابوروق ← ضحاک ← عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

ان میں سے پہلی، دوسری اور تیسری سندیں نہایت قوی ہیں اور خود امام بخاری نے ان سندوں سے روایت لی ہے، روایت کا چوتھا سلسلہ مختلف فیہ ہے؛ کیوں کہ سدی کبیر کو بعض اہل علم نے معتبر مانا ہے اور بعض نے نہیں، اور پانچویں سند معتبر نہیں ہے؛ اس لئے کہ ضحاک کی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

☆ حضرت علی کی مرویات

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف چوں کہ بہت سی روایتیں غلط طور پر منسوب کردی گئیں ہیں؛ اس لئے زیادہ تر مرویات محدثین کے نزدیک معتبر نہیں مانی گئی ہیں، عام طور پر ان سندوں کو قابل اعتبار سمجھا گیا ہے، جو اہل بیت کے ثقہ راویوں سے ہیں یا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے سلسلہ سے مروی ہیں، چنانچہ حسب ذیل تین اَسناد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفسیری مرویات کے سلسلے میں معتبر مانی گئی ہیں :

1- ہشام ← محمد بن سیرین ← عُبیدہ سَلمانی ← علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

2- ابن ابی حسین ← ابوطفیل ← علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

3- ابن شہاب زہری ← علی زین العابدین ← حسین بن علی ← علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

ان میں سے تیسری سند نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس کا شمار 'اصح الاسانید' یعنی صحیح ترین سندوں میں ہے، پہلی سند سے امام بخاری نے